تعلق باللہ کی بنیادیں

ڈاکٹر فرحت علی برنی

تحقیق و تخریج

عبدالستار خان

www.quranurdu.com

پیش لفظ

اللھم لک الحمد کماینبغی لجلال وجھک وعظیم سلطانک

میرے محترم مربی ڈاکٹر فرحت علی برقیؒ کو اللہ تعالی اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا کرے۔ آپؒ کو جنت الفردوس کے اعلی مقام پر فائز کرے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔

یہ میرے رب کریم کا مجھ پر فضل واحسان ہے کہ اس نے اپنی رحمت سے مجھے توفیق دی کہ میں ڈاکٹر صاحبؒ کی دوسری کتاب منظر عام پر لانے کے قابل ہوا ہوں۔ دوسال بیشتر ڈاکٹر صاحبؒ کی پہلی کتاب ''بندگی رب کے تقاضے'' کی تحقیق وتخریج کی گئی اور اسے زیور طبع سے آراستہ کر کے قارئین تک پہنچایا گیا۔ بعدازاں اس کتاب کی PDF نیٹ پر جاری کی گئی تو اللہ تعالی کے فضل وکرم سے یہ کتاب لاکھوں افراد تک پہنچی ہے۔ اللہ تعالی اس کاوش کو قبول کرے اور اسے ڈاکٹر صاحبؒ کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔ یہ ہمارے مربین کا ہم پر حق ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی یہ کتاب بھی میری سابقہ کتب کی طرح نیٹ پر جاری کی جارہی ہے۔ اسے زیور طبع سے آراستہ نہیں کیا جاسکا۔ مجھے امید ہے کہ دیگر کتابوں کی طرح اس کتاب کو بھی ویسی ہی پذیرائی ملے گی۔ اس کتاب کے محرک اول برادرم اسلم زبیر ہیں جن کا شکریہ ادا کرنا مجھ پر فرض ہے۔ ایک مرتبہ انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ ڈاکٹر فرحت علی برقیؒ کی بعض کیسٹیں کثرت استعمال کی وجہ سے اب ناقابل استعمال بنتی جارہی ہیں۔ اس وقت مجھے خدشہ ہوا کہ کہیں مرور زمانہ کے ساتھ ہم اس عظیم سرمایہ سے محروم نہ ہوجائیں۔ میں نے تہیہ کیا کہ اس سرمایہ کو محفوظ کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ان کیسٹوں کو کتابی شکل دی جائے۔ چنانچہ برادرم عاقل عزیز کی حوصلہ افزائی سے اس پر کام ہوا اور ڈاکٹر صاحبؒ کی پہلی کتاب ''بندگی

رب کے تقاضے‘‘معرض وجود میں آ گئی۔ ڈاکٹر صاحب کی ایک اور کتاب ’’انفاق وصدقات، فضائل وآداب‘‘ بھی تیار کی جا چکی ہے اور کسی مناسب موقع پر اسے بھی قارئین کے سپرد کر دیا جائے گا۔ اس موقع پر مجھے برادرم وسیم انصاری کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ وسیم بھائی اپنی ذات میں پورا ادارہ ہیں۔ ان کی کاوشوں سے ڈاکٹر صاحبؒ کی تمام کیسٹیں ریکارڈ ہوئی تھیں۔ اللہ تعالی انہیں خوش وخرم رکھے۔

ادارہ عکس وآواز کے پاس ڈاکٹر صاحبؒ کی 42 کیسٹیں ہیں جن میں سے تین کو کتابی شکل دی گئی ہے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ تمام کیسٹوں کو کتابی شکل دی جائے۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالی ہمیں اس کی توفیق دے۔ یہ کتاب دراصل ڈاکٹر فرحت علی برقیؒ کا درس ہے جس کا عنوان ’’ان صلاتی‘‘ ہے۔ اس کیسٹ کے مواد کو تنقیح کے بعد کتابی شکل دی گئی اور تمام آیات کا متن کے ساتھ حوالہ دیا گیا اور تمام احادیث مبارکہ کا متن نقل کرنے کے بعد ان کی تخریج کی گئی۔

برادرم لطیف آفتاب اور ان کے گھرانے کا شکریہ ادا کرنا مجھ پر لازم ہے جو دن رات نیٹ کو اشاعت دین کیلئے استعمال کر رہے ہیں۔ یہ کتاب بھی ان کی کاوش سے قارئین تک پہنچی ہے۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اس کاوش کو قبول فرمائے۔

جدہ۔5مارچ2012ء

nazar_70@hotmail.com

ڈاکٹر فرحت علی برنیؒ

دنیا میں کچھ سعید روحیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں اللہ تعالی اپنی خدمت کیلئے چن لیتا ہے۔ وہ اللہ تعالی سے زندگی بھر کا سودا کر لیتے ہیں، پھر وہ اللہ تعالی سے اپنا کیا ہوا عہد سچا کر دکھاتے ہیں۔ ہم ڈاکٹر فرحت علی برنیؒ کی پاکی بیان نہیں کر سکتے، اللہ تعالی ہی بہتر جانتا ہے کہ ہم میں سے کون زیادہ متقی ہے تاہم یہ ہمارا گمان ہے۔

ڈاکٹر صاحبؒ سعودی عرب اور خلیج کے مختلف شہروں کے علاوہ پاکستان، امریکہ، کینیڈا، امارات اور دیگر ممالک میں دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ آپؒ کے دروس سے ہزاروں افراد مستفید ہوئے۔ بہترین مقرر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ بہترین مربی بھی تھے۔

ڈاکٹر فرحت علی برنیؒ 1942ء میں ہندوستان کے بلند شہر میں پیدا ہوئے۔ آپؒ نے انڈسٹریئل انجینئرنگ میں پی ایچ ڈی کی اور 1976ء میں سعودی عرب کے شہر جدہ آ گئے۔ آپ کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی میں پروفیسر رہے اور 2003ء میں ریٹائر ہو کر مستقل طور پر امریکہ چلے گئے جہاں ایک عرصے تک قیام کرنے کے بعد اسلام آباد میں اپنی بیٹی کے ہاں منتقل ہو گئے۔ آپؒ کو اعصابی بیماری لاحق ہو گئی جس کے باعث آپؒ چلنے، پھرنے اور بولنے سے معذور ہو گئے تھے۔

آپؒ کا انتقال اسلام آباد میں جمعرات 20 اگست 2009ء کو ہوا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالی آپ کو جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے، آمین۔

بسم الله الرحمن الرحيم

﴿ قُلْ إِنَّنِیْ هَدَانِیْ رَبِّیْ إِلَی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ دِیْناً قِیَماً مِّلَّةَ إِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفاً وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ، قُلْ إِنَّ صَلاَتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ، لاَ شَرِیْكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَاْ أَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ، قُلْ أَغَیْرَ اللّهِ أَبْغِیْ رَبّاً وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ وَلاَ تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلاَّ عَلَیْهَا وَلاَ تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَی ثُمَّ إِلَی رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُونَ ، وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلاَئِفَ الأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَا آتَاكُمْ إِنَّ رَبَّكَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِیْمٌ ﴾

صدق الله العظيم

(الانعام161،165)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''(اے محمد ﷺ) کہو: میرے رب نے مجھے بالیقین سیدھا راستہ دکھا دیا ہے، بالکل ٹھیک دین، جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں، ابراہیمؑ کا طریقہ جسے یکسو ہو کر اس نے اختیار کیا تھا، اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا، کہو: میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین کیلئے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے، اور سب سے پہلے سر اطاعت جھکانے والا میں ہوں، کہو: کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں؟ حالانکہ وہی ہر چیز کا رب ہے، ہر شخص جو کچھ کماتا ہے اس کا ذمہ دار وہ خود ہے، کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا، پھر تم سب کو اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے، اس وقت وہ تمہارے اختلافات کی حقیقت تم پر کھول دے گا، وہی ہے جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا، تم میں سے بعض کے مقابلے میں بعض کو بلند درجے دیئے تاکہ جو کچھ تم کو دیا ہے، اس میں تمہاری آزمائش کرے، بے شک تمہارا رب سزا دینے میں بھی بہت تیز ہے، اور بہت درگزر کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔

(الانعام 161، 165)

گزشتہ صفحات میں سورہ االانعام کی آخری پانچ آیتیں پیش کی گئی ہیں جن کے متعلق دو تین باتیں عرض کردوں، سورہ الانعام مکی ہے، مفسرین کا یہ اندازہ ہے کہ یہ نبی اکرم ﷺ کی مکی زندگی کے آخری دور میں نازل ہوئی ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ بیک وقت نازل ہوئی ہے(1)۔

یہ اس انداز سے نازل ہوئی کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اس کے جلو میں ستر ہزار فرشتے آئیں ہیں، میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ فرشتے تسبیح کر رہے ہیں اور ان کی تسبیح سے آسمان اور زمین گونج رہے ہیں''(2)۔

.....

(1) اس سلسلے میں حضرت اسماء بن یزیدؓ کی روایت مشہور ہے کہ جب یہ سورہ نبی کریم ﷺ پر نازل ہو رہی تھی اس وقت آپ ﷺ اونٹنی پر سوار تھے، میں اس کی نکیل پکڑے ہوئے تھی اور بوجھ کے مارے اونٹنی کا یہ حال ہو رہا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کی ہڈیاں اب ٹوٹ جائیں گی۔ اس روایت کو امام ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد 7/23 میں نقل کیا ہے اور اس کے بارے میں لکھا ہے کہ اس رواۃ میں شہر بن حوشب ہے جو ضعیف ہے تاہم بعض محدثین نے اسے ثقہ بھی کہا ہے۔

(2) اس روایت کو متعدد کتب تفسیر اور احادیث میں نقل کیا گیا ہے مگر تعدد طرق کے باوجود یہ انتہائی ضعیف ہے۔ مجمع الزوائد 7/23 میں امام ہیثمیؒ نے اسے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے رواۃ میں محمد بن عبداللہ بن عرس عن احمد بن محمد بن ابی بکر السالمی ہیں جنہیں میں نہیں جانتا۔ امام ابن حجرؒ نے نتائج الافکار 3/229 میں حضرت اسماء بنت یزیدؓ سے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے رواۃ میں لیث ہے جو ضعیف ہے جبکہ لیث کے استاذ کے بارے میں بھی محدثین نے کلام کیا ہے جبکہ علامہ ناصر الدین الالبانیؒ نے السلسلة الضعيفه 5627 میں اس سے ملتی جلتی روایت کو منکر قرار دیا ہے تاہم عمدۃ التفسیر 1/761 میں علامہ احمد شاکر نے ایک روایت نقل کی ہے جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے اور جس میں ہے کہ سورہ الانعام مکہ مکرمہ میں رات کے وقت مکمل نازل ہوئی اور اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے اترے جو تسبیح کر رہے تھے'' اس روایت کے بارے میں علامہ احمد شاکر کا کہنا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

سورہ الانعام کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ توحید کے متعلق جتنے قواعد اور اصول آپ کے ذہن میں آسکتے ہیں، وہ سب کے سب اس سورہ مبارکہ میں مل جائیں گے۔ یہ قرآن مجید کی اعلیٰ ترین سورتوں میں سے ایک جس کی بڑی اہمیت بھی ہے۔

قرآن مجید کا ایک خاص اسلوب ہے کہ قرآن کی سورتوں کی شروع کی آیتیں، جن کو فواتح کہتے ہیں اور آخر کی آیتیں جن کو خواتیم کہتے ہیں، ان میں قرآن مجید یا متعلقہ سورہ کا مضمون ابھر کر آتا ہے۔ آج کی موڈرن دنیا ''کمپوزیشن رائٹنگ'' کو تسلیم کرتی ہے اور یہی انداز رائج بھی ہے۔ مثال کے طور پر اگر آپ کوئی رپوٹ لکھنا چاہتے ہیں تو اس کے آغاز میں پوری رپورٹ کی سمری آجائے تاکہ پڑھنے والے کو شروع سے ہی اندازہ ہوجائے کہ اس رپورٹ کا لب لباب کیا ہے۔ یہی قرآن مجید کا بھی انداز ہے۔ قرآن کی فواتح یعنی شروع کی آیتیں اور خواتیم یعنی آخر کی آیتیں، ان میں بڑا اہم مضمون اور پوری سورہ کا مغز ملتا ہے۔ گویا چند آیتوں میں سمندر کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہو۔

یہی انداز ہمیں سورہ الانعام میں بھی نظر آتا ہے۔ ایک طرف اس کے آغاز میں اللہ تعالیٰ کی حمد و تعریف ہے، فرمایا گیا کہ اللہ وہ ہستی ہے جس نے زمین و آسمان اور نور اور اندھیروں کو پیدا کیا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کی گئیں۔ آخری پانچ آیات میں بھی وہی انداز اختیار کیا۔ ان آیات میں قرآن مجید کے چوٹی کے مضامین شامل ہیں۔

بعض وہ مضامین جن کو آپ چوٹی کے مضامین کہہ سکتے ہیں، وہ ایک ایک آیت میں یہاں بیان ہوئے ہیں۔ اس مختصر تمہید کے بعد اب آیئے زیر مطالعہ آیات مبارکات پر غور کرتے ہیں:

فرمایا گیا:

﴿ قُلْ إِنَّنِیْ هَدَانِیْ رَبِّیْ إِلَی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴾

''(اے محمد ﷺ) کہو: میرے رب نے مجھے بالیقین سیدھا راستہ دکھا دیا ہے''

صراط المستقیم کے حوالے سے پہلا نقطہ غور کیجئے۔ نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا جارہا ہے کہ آپ ﷺ ڈنکے کی چوٹ پر یہ اعلان کیجئے کہ مجھے بھی ہدایت میرا رب دے رہا ہے، یعنی میں بھی ہدایت کیلئے اپنے رب کا محتاج ہوں۔ تمام انسانوں کو بشمول سید المرسلین ﷺ ہدایت کہاں سے ملی؟ اللہ تعالی کی طرف سے۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ کس چیز کی ہدایت ملی؟:

﴿ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴾

یعنی سیدھے راستے کی ہدایت ملی۔ سیدھے راستے کی ہدایت وہ ہدایت ہے جو خاص نبی اکرم ﷺ کیلئے مخصوص نہیں بلکہ اس ہدایت کے ہم سب محتاج ہیں۔ اسے مانگنے کی تو ہمیں تلقین کی گئی ہے۔ ہم سورہ الفاتحہ پڑھتے ہیں جو نماز کی ہر رکعت کا جز ہے، اس میں ہم اپنے رب سے کیا مانگتے ہیں:

﴿ اهدِنَـــا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ ﴾

''ہمیں سیدھا راستہ دکھا''۔

اب سوال یہ ہے کہ سیدھا راستہ کیا ہے جو اللہ نے نبی ﷺ کو دکھا دیا گیا اور جس کا ہم ہر نماز کی ہر رکعت میں دعا کرتے ہیں؟۔

قرآن مجید نے سیدھے راستے کو بیان فرمایا ہے:

﴿ دِينًا قِيَماً مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ ﴾

''بالکل ٹھیک دین، جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں، ابراہیمؑ کا طریقہ''۔

قیم کے معنی مفسرین کرام نے مختلف بیان کئے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ سچا دین، بعض نے کہا راست دین، بعض نے کہا مضبوط دین جبکہ بعض نے کہا کہ وہ دین جو مستحکم بنیادوں پر قائم ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ صراط مستقیم ہے جو دین قیم ہے۔ یعنی وہ دین جو مضبوط بنیادوں پر قائم ہے، جو بڑا مستحکم اور راست ہے۔ لفظ ''دین'' قرآن مجید کی ایک خاص اصطلاح ہے جس کا عمومی مطلب نظام زندگی ہے۔

اسلام کو قرآن مجید دین کہتا ہے۔ قرآن مجید میں اسلام کے لئے لفظ ''مذہب'' کبھی استعمال نہیں ہوا۔ قرآن کریم نے اسلام کو ہمیشہ دین ہی کہا ہے:

﴿ إِنَّ الدِّيْنَ عِندَ اللّهِ الإِسْلاَمُ ﴾

''اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے''(3)۔

اس لئے کہ یہ نظام زندگی ہے۔ زندگی کے تمام شعبوں میں چھایا ہوا ہے اور جس کے تحت زندگی کے سارے گوشے آجاتے ہیں۔ صراط مستقیم کی وضاحت اس انداز میں کی گئی کہ یہ پورے نظام زندگی پر محیط ہے۔

اگر کوئی شخص اپنی نادانی کی وجہ سے یہ سمجھ بیٹھا ہو کہ صراط مستقیم صرف نماز، روزہ، حج اور زکاۃ ہے، میں ان عبادات کو انجام دوں تو صراط مستقیم پر ہوں، اس کے بعد میں زندگی میں جو چاہوں کروں، مجھے کوئی روک ٹوک نہیں تو یہ اس کی بھول ہے۔ اسلام نظام زندگی کا نام ہے جو ہر وقت اس کے ماننے والے پر نافذ ہوگا۔ زندگی کا کوئی شعبہ اس سے باہر نہیں، زندگی کا کوئی لمحہ اس کے نظام سے مستثنیٰ نہیں۔ یہ کل ہے جس کا جزو نہیں ہوسکتا۔ اگر اس کے کسی جزو پر عمل کیا جائے اور دوسرے جزو کو ترک کیا جائے تو ایسا کرنے والے کو سخت وعید سنائی گئی ہے۔

قرآن مجید نے یہاں صریحاً اس بات کی وضاحت کردی ہے کہ جس صراط مستقیم کی طرف ہدایت تم صبح اور شام مانگتے ہو اور جس کی طرف اللہ تعالی نے نبی اکرم ﷺ کی رہنمائی فرمائی تھی، وہ پورا دین تھا۔ اس دین کو نبی اکرم ﷺ نے اپنی زندگی پر لاگو کیا ور آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ نے بھی یہی کام کیا تھا۔ اب اگر تم صراط المستقیم چاہتے ہو تو تمہیں بھی یہی کام کرنا ہوگا کہ پورے دین کو اپنی پوری زندگی میں نافذ کرنا ہوگا۔ اگر تم یہ کروگے تو صراط مستقیم پر رہوگے۔ دین کے جزوی احکامات کی پابندی کرنے

.....

(3) آل عمران 19

سے تم صراط مستقیم سے دور نکل جاؤ گے۔

دین قیم کے معاً بعد فرمایا؟:

﴿ مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ ﴾

''ابراہیمؑ کا طریقہ''۔

دین قیم کونسا ہے؟ ابراہیم علیہ السلام کا، تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر ہو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام حنیف تھے، یک سو تھے۔ آپؑ نے سب سے رشتے ناتے کاٹ کر اپنے رب کے ہو کر رہے۔

آپؑ کی نمایاں خصوصیت کیا تھی؟:

﴿ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴾

''وہ مشرکوں میں سے نہ تھا''۔

قرآن مجید جگہ جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال دیتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو اللہ تعالی سے عظیم نسبتیں ہیں۔ آپؑ ابوالانبیاء ہیں۔ آپؑ کے دونوں صاحبزادے اللہ کے جلیل القدر نبی تھے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے جنہیں اسرائیل بھی کہا جاتا ہے۔ پھر بنی اسرائیل میں اتنے انبیائے کرام مبعوث ہوئے جن کا شمار نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ خصوصیت بھی ہے کہ آپؑ خلیل اللہ تھے:

﴿ وَاتَّخَذَ اللّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلاً ﴾

''اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنا لیا تھا''(4)۔

غور کیجئے! خلیل اللہ۔ رب سبحانہ وتعالی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امام الناس بھی بنایا:

﴿ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَاماً ﴾

.....

(4) آل عمران 19

''میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں'' (5)۔

غور کیجئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ابوالانبیاء بھی ہیں، خلیل اللہ بھی اور امام الناس بھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانیوں کا اندازہ کیا جاسکتا ہے؟۔ آپؑ کو زندہ آگ میں پھینکا گیا، جلا وطن کر دیا گیا، بڑھاپے میں اولاد عطا ہوئی ہے، وہ بیٹا جب چلنے پھرنے کے قابل ہوگیا ہے تو کیا حکم ہوا کہ اس کو ذبح کردو اور آپؑ نے ایسا ہی کیا۔ حضرت ابرہیم علیہ السلام نے اپنی طرف سے ان کو ذبح کر دیا تھا۔ یہ وہ امتحان تھا جس کیلئے قرآن کا ارشاد ہے:

﴿ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَلَاء الْمُبِيْنُ ﴾

''یقیناً یہ ایک کھلی آزمائش تھی'' (6)۔

اللہ تعالی نے شہادت دی ہے کہ یہ تو زبردست آزمائش تھی جو ہم نے ابراہیم علیہ السلام سے لی اور جس میں وہ پورے اترے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کی کیا نسبتیں اور کیا قربانیں ہیں؟ یہ سب اپنی جگہ، قرآن مجید جس بات پر زیادہ زور دے رہا ہے وہ یہ ہے کہ:

﴿ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾

''وہ مشرکوں میں سے نہ تھا''۔

قرآن مجید یہود و نصاری کے دعوے کی تردید کرتا ہے، ان کا دعوی تھا کہ ہدایت پانے کیلئے ضروری ہے کہ یہودی یا نصرانی بن جاؤ:

﴿ وَقَالُواْ كُونُواْ هُوداً أَوْ نَصَارَى تَهْتَدُواْ ﴾

''یہودی کہتے ہیں: یہودی ہو تو راہِ راست پاؤ گے، عیسائی کہتے ہیں: عیسائی ہو تو ہدایت ملے گی''۔

.....

(5) البقرہ 124

(6) الصافات 106

قرآن مجید کا فرمان ہے کہ:

﴿ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفاً وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴾

''ان سے کہو: نہیں! بلکہ سب کو چھوڑ کر ابراہیم کا طریقہ اور ابراہیم مشرکوں میں سے نہ تھا''(7)۔

ایک اور جگہ قرآن مجید کا ارشاد ہے:

﴿ مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيّاً وَلاَ نَصْرَانِيّاً وَلَكِن كَانَ حَنِيفاً مُّسْلِماً وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴾

''ابراہیم نہ یہودی تھا نہ عیسائی بلکہ وہ تو ایک مسلم یکسو تھا اور وہ ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھا''(8)۔

سورہ النحل میں یہ مضمون اپنی چوٹی کو پہنچتا ہے، قرآن مجید کا ارشاد ہے:

﴿ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتاً لِلّهِ حَنِيفاً وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴾

''ابراہیم اپنی ذات سے ایک پوری امت تھا، اللہ کا مطیع فرمان اور یکسو، وہ کبھی مشرک نہ تھا''(9)۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام فرد واحد ہیں مگر قرآن مجید آپؑ کو امت قرار دے رہا ہے۔ ان آیات کے علاوہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہوا اور متعدد مرتبہ رسول اکرم ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کریں۔ قرآن مجید حضرت ابراہیم علیہ السلام جو بار بار جو اعزاز یا سرٹیفکیٹ دیتا ہے وہ یہ ہے کہ:

﴿ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴾

''وہ مشرکوں میں سے نہ تھا''۔

.....

(7) البقرہ 135

(8) آل عمران 67

(9) النحل 120

دراصل دین توحید ہے اور توحید شرک کی ضد ہے۔ وہ شخص دین کا متبع اور پیروکار سمجھا جائے گا جس نے شرک کی نفی کی ہوگی۔ اسی کی عبادت قبول ہوگی اور اسی کا عمل صالح مقبول ہوگا۔ ہم جو صبح وشام ''لا الہ الا اللہ'' کہتے ہیں، اگر اس کلمہ طیبہ کو سمجھ لیں، اسے رچا بسا لیں اور اسی پر ثابت قدم رہیں تو بس یہی دین ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام جیل میں اپنے ساتھیوں کو دعوت دیتے ہوئے کہتے ہیں:

﴿ مَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاء سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَآؤُكُم مَّا أَنزَلَ اللّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُواْ إِلَّا إِيَّاهُ ذَلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلَـكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لا يَعْلَمُونَ ﴾

''اس کو چھوڑ کر تم جن کی بندگی کر رہے ہو وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباء واجداد نے رکھ لئے ہیں، اللہ نے ان کیلئے کوئی سند نازل نہیں کی، فرمانروائی کا اقتدار اللہ کے سوا کسی کیلئے نہیں، اس کا حکم ہے کہ خود اس کے سوا تم کسی کی بندگی نہ کرو، یہی ٹھٹھ سیدھا طریق زندگی ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں'' (10)۔

جو چیز ہم سے مطلوب ہے، جس کی پیروی کرنی ہے اور پوری زندگی کرنی ہے، جس پر عمل کرنا اور اسے نافذ کرنا ہے وہ دین توحید ہے۔ ہمیں اللہ کو اپنا معبود ماننا ہے، حکم کا منبع اور سرچشمہ صرف وہی ہے اور اسی کے احکامات کی پیروی کرنی ہے۔ اگر ہم ایسا کر رہے ہیں تو دین توحید پر قائم ہیں۔ یہی وہ چیز ہے جس کو قرآن نے ﴿ دِيْناً قِيَماً ﴾ کہا ہے اور یہی وہ ملت ہے جس کو ﴿ مِّلَّةَ إِبْرَاهِيْمَ ﴾ قرار دیا گیا۔

اس وضاحت کے بعد جس چیز کا مطالبہ ہو رہا ہے وہ غور کرنے کے قابل ہے:

﴿ قُلْ إِنَّ صَلاَتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ﴾

''کہو: میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین کیلئے ہے''۔

مفسرین نے ''نسك'' کے دو معنی لئے ہیں۔ اس کا ایک مطلب مراسم عبودیت ہے، دوسرا مفہوم

.....

(10) یوسف 40

قربانی ہے۔اگر آپ قربانی کے معنی کو لے لیں تو زیادہ مفہوم واضح ہوتا ہے۔

یہ آیت انسان کا اللہ تعالی سے تعلق ظاہر کر رہی ہے۔تعلق باللہ کے حوالے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال ابھی گزر چکی ہے۔اب یہ عام انسان کی اللہ تعالی سے تعلق کی بات ہو رہی ہے۔ یہ جو چار الفاظ ہیں " صَلاَۃ ، نُسُک ، مَحیَا وَمَمَات" ان میں تقابل ہے۔اس سلسلے میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے بہت پیاری بات لکھی ہے، ملاحظہ کیجئے:

"نماز اور قربانی، زندگی اور موت دونوں میں غور کیجئے ،نہایت حسین تقابل ہے۔نماز کے مقابل میں زندگی اور قربانی کے مقابل میں موت ہے۔ یہ اشارہ ہے کہ جو اس ملت پر ہے وہ جیتا ہے تو خدا کیلیئے اور مرتا ہے تو خدا کیلیئے۔اس کی زندگی میں کوئی تقسیم نہیں۔ یہ از ابتدا تا انتہا بالکل ہم آہنگ ہے۔ خدا کا کوئی ساجھی نہیں،اس وجہ سے بندے کی زندگی میں بھی کوئی ساجھی نہیں۔ یہ پوری کی پوری بغیر کسی تقسیم و تجزیہ اور بغیر کسی تحفظ و استثنا کے صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کیلیئے ہے۔اس وجہ سے میں سے سب سے آگے بڑھ کر اس قلادہ کو اپنی گردن میں ڈالا ہے" (11)۔

صلاۃ کیا ہے؟۔ یہ عبادات کی چوٹی اور مومن کی معراج (12)۔ زندگی کا تعلق اس صلاۃ سے ہے کیونکہ اللہ تعالی کا مبارک فرمان ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴾

....

(11) تدبر القرآن،از مولانا امین احسن اصلاحی 3/210

(12) "نماز مومن کی معراج ہے" بظاہر یہ آپ ﷺ کا قول معلوم ہوتا ہے نیز عوام میں بھی یہی مشہور ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث نہیں۔ مجھے معروف کتب حدیث میں کوئی صحیح یا ضعیف سند سے اس کا کہیں کوئی حوالہ نہیں ملا سوائے علامہ نیساپوریؒ کی تفسیر اور حافظ سیوطیؒ کی شرح سنن ابن ماجہ کے جنہوں نے اسے رسول اکرم ﷺ سے منسوب کیا ہے۔ جب تک کسی قول کی سند معلوم نہیں ہوتی اسے حدیث قرار نہیں دیا جاسکتا۔علامہ آلوسیؒ نے بھی روح المعانی میں اس کا ذکر کیا مگر انہوں نے اس قول کی نسبت رسول اکرم ﷺ سے نہیں کی بلکہ اسے مجرد قول کے طور پر ذکر کیا ہے۔

''میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کیلئے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں''(13)۔

زندگی کا مقصد دراصل اللہ تعالی کی عبادت ہے اور عبادت کی چوٹی صلاۃ ہے۔ جب صلاۃ کا ذکر کیا تو اس کے مقابل زندگی کا ذکر ہوا اور موت کا ذکر کیا تو اس کے مقابل قربانی کا ذکر ہوا۔ دراصل چوٹی کی موت وہ ہے جس میں انسان اللہ تعالی کی راہ میں اپنی جان کھپا کر قربان ہو جائے خواہ یہ قربانی اللہ تعالی کی راہ میں گردن کٹوا کے حاصل ہو یا اس کی راہ میں خود کو فنا کر کے حاصل کی جائے۔ اسے موت آئے تو اس حال میں کہ وہ اللہ تعالی کے دین کا کام کر رہا ہو۔

آیت مذکورہ کا اصل مدعا یہ ہے کہ بندہ مومن کا جینا اور مرنا، اس کی تمام عبادات اور اس کی قربانیاں سب کی سب اللہ تعالی وحدہ لاشریک کیلئے ہوں۔

اس کی مزید تشریح کیلئے رسول اکرم ﷺ کی دو حدیثیں رکھتا ہوں۔ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ

''جس نے محبت کی تو اللہ کے خاطر کی اور جس نے بغض کیا تو اللہ کے خاطر کیا اور جس نے دیا تو اللہ کے خاطر دیا اور جس نے روکا تو اللہ کی خاطر روکا تو اس کا ایمان مکمل ہو گیا''(14)۔

یہ دراصل انسان کے ایمان کی تکمیل ہے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہو اللہ تعالی کی خاطر کر رہا ہو۔

نبی اکرم ﷺ سے دعا منقول ہے جو آپ ﷺ تہجد کے وقت کیا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْكَ اَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ ، وَاِلَيْكَ حَاكَمْتُ

''اے اللہ! میں نے تیری اطاعت میں اپنا سر خم کر دیا اور میں تجھ پر ایمان لے آیا اور تجھ پر میں نے

.....

(13) الذاریات 56

(14) حدیث صحیح: بروایت حضرت ابوامامہ باہلیؓ، صحیح الجامع از علامہ ناصر الدین الالبانیؒ 5965

توکل کیا اور اگر رجوع کیا تو تیرے طرف رجوع کیا اور اگر کسی سے جھگڑا کیا تو تیری خاطر کیا اور جب مجھے فیصلے کی ضرورت پڑی تو میں پلٹا تیرے طرف‘‘(15)۔

میرا سب کچھ اللہ تعالی کا ہے، جو کچھ بھی کر رہا ہوں اللہ تعالی کے خاطر کر رہا ہوں، اگر میرا جھگڑا ہے تو وہ بھی اللہ تعالی کے خاطر ہے، میری دوستیاں اللہ تعالی کے خاطر ہیں اور میرا اوڑھنا اور بچھونا اللہ تعالی کے خاطر ہے۔ یہ انداز اگر ہماری زندگی میں پیدا ہو جائے تو یہ علامت ہے کہ ہمارا تعلق مع اللہ ہے اور وہ مضبوط تعلق ہے۔ یہ ہے وہ چیز جو اس آیت مبارکہ میں بیان ہوئی ہے۔ گویا بندہ مومن اللہ تعالی کے رنگ میں رنگ جائے:

﴿ صِبْغَةَ اللّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ عَابِدونَ ﴾

’’اللہ کا رنگ اختیار کرو اور اللہ کے رنگ سے بہتر کونسا رنگ ہوگا‘‘(16)۔

بات تو بڑی پیاری ہے کہ اللہ کے رنگ میں رنگ جائیں اور اس کا رنگ ہماری پوری زندگی پر چھا جائے، اس سے اچھی کیا بات ہوسکتی ہے مگر سوال یہ ہے کہ یہ کیسے حاصل ہو؟۔ خالی کہنے سے؟ تمنائیں کرنے سے؟ خواہشات سے؟ یا محض دعائیں کرنے سے؟ نہیں! اگر ایسا ہوتا تو معاملہ کافی آسان تھا۔ میں کچھ عملی ترکیبیں بتاؤں جن سے ہمارا حال ویسا ہو جائے گا جیسا کہ قرآن مجید نے اہل ایمان کا بتایا ہے کہ وہ:

﴿ وَالَّذِيْنَ آمَنُواْ أَشَدُّ حُبّاً لِّلّهِ ﴾

’’ایمان رکھنے والے لوگ اللہ کو سب سے زیادہ محبوب رکھتے ہیں‘‘(17)۔

.....

(15) حدیث صحیح: بروایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ، بخاری 7385، مسلم 769، ابوداؤد 771

(16) البقرہ 138

(17) البقرہ 165

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ایسے بنیں تو اس کیلئے ہمیں کچھ اضافی کام کرنا ہوں گے۔ یہ اضافی کام فرائض کے علاوہ ہیں۔ فرائض تو وہ ہیں جو ہمیں کرنے ہی کرنے ہیں۔

پانچ وقت کی نماز پڑھنی ہی پڑھنی ہے، رمضان کے روزے رکھنے ہی رکھنے ہیں، صاحب نصاب ہیں تو زکاۃ دینی ہی دینی ہے۔

اگر ہم اللہ تعالی کے رنگ میں رنگنا اور بسنا چاہتے ہیں تو فرائض کے بعد نوافل کی کچھ پابندیاں کرنا ہوں گی۔ جب نوافل کا ذکر ہوگا تو سب سے پہلے تہجد بات ہوگی:

﴿ يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ، قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلاً ، نِصْفَهُ أَوِ انقُصْ مِنْهُ قَلِيلاً ، أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً ﴾

''اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے، رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر کم، آدھی رات یا اس سے کچھ کم کرلو یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دو اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو''(18)۔

اگر ہم اپنا تعلق اللہ تعالی سے مضبوط کرنا چاہتے ہیں اور اس کے رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی زندگی میں تہجد کو لانا ہوگا۔ رات کو اللہ تعالی کے حضور کھڑے ہو جانا، قیام کرنا اور اللہ تعالی کے کلام کی تلاوت کرنا ہمارا معمول ہونا چاہئے۔

یہ کوئی عذر نہیں کہ مجھے کلام اللہ کی تلاوت نہیں آتی یا قرآن مجید یاد نہیں۔ اگر تلاوت نہیں آتی تو اسے سیکھنا چاہئے اور اگر قرآن مجید یاد نہیں تو اسے حفظ کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس سے اللہ تعالی سے تعلق مضبوط ہوگا۔

قرآن پاک کی تلاوت فی نفسہٖ بڑی اہم ہے۔ قرآن مجید کے حقوق میں سے ہے کہ اس کو پڑھیں، اس کو سمجھیں، اس پر عمل کریں اور اس کو پھیلائیں مگر قرآن مجید کی تلاوت فی نفسہٖ بڑی اہم ہے۔ نبی

.....

(18) المزمل 1 تا 4

اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

اِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوْبَ تَصْدَأ كَمَا يَصْدَأُ الْحَدِيْد ، قِيْلَ وَمَاجَلَاؤُهَا؟، قَالَ كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةُ الْقُرْآن

''ان دلوں کو زنگ لگ جاتا ہے جس طرح لوہے کو زنگ لگتا ہے، پوچھا گیا کہ اسے صاف کرنے کا طریقہ کیا ہے؟، فرمایا گیا کہ موت کا کثرت سے ذکر اور قرآن کی تلاوت''(19)۔

دلوں کے زنگ کو صاف کرنے کی دو ہی ترکیبیں ہیں، موت کی کثرت سے یاد اور قرآن مجید کی تلاوت۔ قرآن کی تلاوت کو اپنائیے اور اس کو اپنی زندگی کا معمول بنائیے۔

اللہ تعالی کے ساتھ تعلق مضبوط کرنے کا دوسرا طریقہ نفل روزے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے۔ آپ مہینہ میں ایام بیض کے روزے رکھا کرتے تھے، یعنی ہر ہجری مہینہ کے 13، 14 اور 15، ان تین دنوں میں نبی اکرم ﷺ روزہ رکھا کرتے تھے۔

نفل روزوں کے علاوہ انفاق کیجئے، اللہ کے راہ میں اپنا مال، اپنی صلاحیتیں، اپنے اوقات اور اپنی جان خرچ کیجئے۔

ہم میں سے بعض لوگ یہ سمجھ بیٹھیں ہیں کہ زکاۃ ادا کرنا کافی ہے۔ زکاۃ ادا کرنے کے بعد ہمیں مزید مال خرچ نہیں کرنا حالانکہ ایسا نہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

فِیْ الْاَمْوَالِ حَقٌّ سِوَیٰ الزَّکَاۃ

.....

(19) حدیث ضعیف جدًا: بروایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ تخریج مشکوۃ المصابیح 2109 میں علامہ ناصر الدین الالبانیؒ نے اسے ضعیف جداً جبکہ السلسلة الضعيفة 6096 میں اسے منکر کہا ہے۔ اس کے رواۃ میں ابراہیم بن عبدالسلام ہے جو عبدالرحیم بن ہارون غسانی کے نام سے بھی معروف ہے اور جس کے بارے میں علامہ البانیؒ نے کہا ہے کہ یہ مجہول ہے بلکہ جملہ ضعیف راویوں میں ہے جبکہ امام دارقطنیؒ نے اسے متروک کذاب کہا ہے۔

''مال میں زکاۃ کے علاوہ بھی (مسکینوں کا) حق ہے'' (20)۔

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

يَقُوْلُ الْعَبْدُ : مَالِيْ ، مَالِي ، اِنَّمَا لَهُ مِنْ مَالِهٖ ثَلَاث ، مَا اَكَلَ فَاَفْنٰى ، اَوْ لَبِسَ فَاَبْلٰى ، اَوْ اَعْطٰى فَاَقْتَنٰى وَمَاسِوٰى ذٰلِكَ فَهُوَ ذَاهِبٌ وَتَارِكُهُ لِلنَّاسِ

''بندہ کہتا ہے: میرا مال! میرا مال! حالانکہ اس کے مال میں سے تین چیزیں اس کی ہیں، جو اس نے کھا کے ختم کر دیا، یا پہن کے بوسیدہ کر دیا یا (صدقہ) دے کر (آخرت کا) توشہ بنا دیا اس کے سوا جو مال ہے تو وہ دوسرے لوگوں کے لئے چھوڑ کر (اس دنیا سے) چلا جائے گا'' (21)۔

معلوم ہوا کہ جو مال اللہ تعالی کی راہ میں خرچ کیا وہی کام آئے گا۔ باقی جو کچھ ہے وہ وارثوں کا ہے۔

تعلق باللہ کی چوتھی صورت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ اگر آپ اللہ تعالی سے تعلق مضبوط کرنا چاہتے ہیں تو دین کی دعوت میں شامل ہو جایئے۔ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

..... **وَمَنْ دَعَا اِلَيْهِ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيْم**

''جس نے قرآن مجید کی بات کی اس نے سچ کہا، جس نے اس پر عمل کیا اس نے اجر پایا اور جس نے قرآن کی بنیاد پر فیصلہ کیا اس نے عدل کیا اور جس نے اس کی طرف دعوت دی تو اسے صراط مستقیم کی طرف رہنمائی ملے گی'' (22)۔

.....

(20) اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے سنن میں حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سے روایت کیا ہے اور اسے ایک روای ابوحمزہ میمون کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔ مذکورہ راوی کو علامہ ابن ابی حاتم نے ضعیف جداً کہا ہے، دیکھئے: الجرح والتعدیل 1/235 جبکہ علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف منکر کہا ہے۔

(21) حدیث صحیح: بروایت حضرت ابو ہریرہؓ، مسلم 2959، صحیح الجامع 8133

(22) امام ترمذیؒ کا کہنا ہے کہ اس کی سند میں جھول ہے نیز کہا کہ اس حدیث کی صحیح سند نہیں تاہم معنی کے اعتبار سے یہ حدیث صحیح ہے یہی وجہ ہے کہ اسے امام دارمیؒ، منذریؒ، بغوی اور ابن کثیرؒ نے نقل کیا ہے۔

لوگوں کو ہدایت دینا کسی کے اختیار میں نہیں:

﴿ لَّيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَـٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ﴾

''لوگوں کو ہدایت بخش دینے کی ذمہ داری تم پر نہیں، ہدایت تو اللہ ہی جسے چاہتا ہے بخشتا ہے''(23)۔

دوسروں کو جب آپ دعوت دیتے ہیں تو ان کے دل پر آپ کی دعوت کا اثر ہوتا ہے یا نہیں ہوتا، وہ اس پر آمنا وصدقنا کہتے ہیں یا نہیں، آپ اس کے ذمہ دار نہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ دعوت دینے والے کی صراط مستقیم کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔

اے کاش تمام مسلمان داعی الی اللہ ہو جائیں۔ اسی دعوت الی الخیر کی وجہ سے ہی ہمیں خیر امت قرار دیا گیا ہے:

﴿ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ﴾

''اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت اور اصلاح کیلئے میدان میں لایا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو''(24)۔

ہم تو خیر امت ہیں جن کا بنیادی کام دعوت الی اللہ ہے۔ ہمیں نیکی کا حکم دینا چاہئے، برائی سے روکنا چاہئے اور اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لانا چاہئے۔ یہی تو ہمارا مقصد حیات ہے۔ جب ہم یہ کام کریں گے تو ہمارا تعلق باللہ مضبوط ہوگا۔

اوپر کی بحث سے معلوم ہوا کہ:

﴿ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴾

.....

(23) البقرہ 272

(24) آل عمران 110

''کہو: میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین کیلئے ہے''۔

اس کا ہمیں عملی نمونہ بننا ہے اور اپنے تعلق کو اللہ تعالی کے ساتھ مضبوط کرنا ہے۔ اس کیلئے دیگر مختلف ترکیبوں کے علاوہ مذکورہ بالا ترکیبیں بیان ہوئی ہیں۔ نوافل کا اہتمام کیجئے، روزے رکھئے، اللہ تعالی کی راہ میں مال خرچ کیجئے، قرآن مجید کی تلاوت کیجئے اور اللہ تعالی کے دین کی دعوت دیجئے۔ جب یہ کام کریں گے تو آپ دیکھیں کہ آپ کی زندگی سدھرتی چلی جائی گی۔

مذکورہ بالا آیات میں حکم ہوا کہ ''میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت، میرا جینا اور مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین کیلئے ہے'' اس کے فورا بعد فرمایا:

﴿ لاَ شَرِيْکَ لَهُ وَبِذٰلِکَ أُمِرْتُ وَأَنَاْ أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾

''جس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے سر اطاعت جھکانے والا میں ہوں''۔

جس کے ساتھ میرا تعلق مضبوط ہونا چاہئے وہ رب العالمین ہے جس کا کوئی لاشریک نہیں۔ غور کیجئے وہی شریک کا مضمون پھر پلٹ کر آیا ہے۔

نبی رحمت ﷺ سے کہا جا رہا ہے کہ آپ ﷺ کہئے:

﴿ وَبِذٰلِکَ أُمِرْتُ ﴾

''اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے''۔

نبی کریم ﷺ سے کہلوایا جا رہا ہے کہ میں جس چیز کی طرف تمہیں دعوت دے رہا ہے مجھے بھی اسی کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور میں:

﴿ وَأَنَاْ أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾

''اور سب سے پہلے سر اطاعت جھکانے والا میں ہوں''۔

یعنی اے لوگو! اگر میں تم سے کہتا ہوں کہ تم اللہ تعالی کے سامنے سر اطاعت کو خم کر دو تو یہ نہ سمجھو کہ میں صرف تمہیں ہی یہ بات کہتا ہوں، نہیں! بلکہ سب سے پہلے میں نے اپنا سر اللہ تعالی کے آگے جھکا دیا ہے۔ یہ قدرے تفصیل طلب مضمون ہے جس کے متعلق میں نے اس سے پہلے روشنی ڈالی تھی(25)۔اس کا یہاں اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

آگے جو بات فرمائی گئی اس کا استدلالی پہلو ایسا ہے جو ہر آدمی کی سمجھ میں آجائے۔قرآن مجید کا انداز یہ ہے کہ وہ لوگوں کی ذہنی کے سطح پر آکر بات کرتا ہے۔وہ ایسی بات کرتا ہے کہ موٹی عقل والے آدمی کی بھی سمجھ میں آجائے۔فرمایا گیا:

﴿ قُلْ أَغَيْرَ اللّهِ أَبْغِي رَبّاً وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ﴾

''کہو: کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں؟ حالانکہ وہی ہر چیز کا رب ہے''۔

لوگو! ساری کائنات کا رب تو اللہ ہے، تم مجھ سے کہتے ہو کہ میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا رب بناؤں۔تمہیں عقل ہے یا نہیں؟ یہ کیسی بے وقوفی کی بات تم کر رہے ہو۔

اس بات کو سمجھنے کیلئے ایک مثال دیتا ہوں۔فرض کیجئے کہ جس شہر یا علاقے میں آپ رہتے ہیں، وہاں کا ایک حاکم ہے جس کا نظام چلتا ہے، اسی کے احکامات چلتے ہیں اور اسی کی تابعداری کی جاتی ہے۔آپ سے کوئی کہے کہ اس کو چھوڑ کر فلاں شہر کے حاکم کی اطاعت شروع کر دو تو آپ اسے کیا جواب دیں گے۔یہی نا کہ تم بڑے بے وفا آدمی ہو۔تمہاری عقل کہاں ہے کہ جس شہر میں رہتا ہوں اس کے حاکم اور فرمانروا کو چھوڑ کر میں کسی اور شہر کے حاکم کی اطاعت کروں۔آیت مذکورہ میں بھی یہی انداز ہے۔

.....

(25) ڈاکٹر فرحت علی برقؒ نے اس موضوع پر اپنے درس ''بندگی رب کے تقاضے'' میں تفصیلی بحث کی تھی۔یہ درس کتابی شکل میں دستیاب ہے۔دیکھئے:

http://www.quranurdu.com/books/urdu_books/Bandagi_Rab_kai_Taqazay.pdf

اصول یہ ہے کہ کوئی نفس جو کچھ وہ کمائے گا، وہ اپنے لئے کمائے گا، اس کے گناہوں کا بوجھ بھی اسی کی گردن پر ہوگا، یہی بات آگے کی آیات میں فرمائی گئی:

﴿ وَلاَ تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلاَّ عَلَيْهَا وَلاَ تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى ثُمَّ إِلَى رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴾

''ہر شخص جو کچھ کماتا ہے اس کا ذمہ دار وہ خود ہے، کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا، پھر تم سب کو اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے، اس وقت وہ تمہارے اختلافات کی حقیقت تم پر کھول دے گا''۔

یعنی اگر آج میں تمہاری بات مان کر اللہ تعالی کے سوا کسی اور کو اپنا معبود بنالوں تو کل اللہ تعالی کی عدالت میں کیا جواب دوں گا۔ مجھے اپنے اعمال کی خود جواب دہی کرنی ہے اور تمہیں اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے۔

یہ قرآن مجید کا اہم مضمون ہے۔ سورہ النجم میں بھی یہی بات فرمائی گئی:

﴿ أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى ﴾

''کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا''(26)۔

یہی بات سورہ سباء میں اس طرح بیان ہوئی:

﴿ قُل لَّا تُسْأَلُونَ عَمَّا أَجْرَمْنَا وَلَا نُسْأَلُ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴾

''ان سے کہو: جو قصور ہم نے کیا ہو اس کی کوئی باز پرس تم سے نہ ہوگی اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس کی کوئی جواب طلبی ہم سے نہیں کی جائے گی''(27)۔

حتی کہ نبی اکرم ﷺ اپنے فرائض کے ذمہ دار ہیں، لوگوں کے اعمال کے متعلق آپ ﷺ جوابدہ نہیں:

.....

(26) النجم 28

(27) سباء 25

﴿ فَإِن تَوَلَّوا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُم مَّا حُمِّلْتُمْ وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴾

''خوب سمجھ لو کہ رسول پر جس فرض کا بار رکھا گیا ہے اس کا ذمہ دار وہ ہے اور تم پر جس فرض کا بار ڈالا گیا ہے اس کے ذمہ دار تم، اس کی اطاعت کرو گے تو خود ہی ہدایت پاؤ گے ورنہ رسول کی ذمہ داری اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ صاف صاف حکم پہنچا دے''(28)۔

سورہ فاطر میں یہ مضمون زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان فرما گیا کہ اللہ تعالی کا قانون عدل ہے کہ وہ ایک کے گناہ میں دوسرے کو نہ پکڑے گا بلکہ ہر ایک کو اس کے اپنے گناہ ہی کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔ اس وقت ہر ایک کو اپنی پڑ جائے گی، بھائی بھائی سے اور باپ بیٹے سے منہ موڑ لے گا:

﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى وَإِن تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَى ﴾

''کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور اگر کوئی لدا ہوا نفس اپنا بوجھ اٹھانے کیلئے پکارے گا تو اس کے بار کا ادنی حصہ بھی بٹانے کیلئے کوئی نہ آئے گا چاہے وہ قریب ترین رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو''(29)۔

اس کی بنیادی وجہ پر روشنی ڈالتے ہوئے قرآن مجید اعلان کرتا ہے:

﴿ وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرْداً ﴾

''سب قیامت کے روز فرداً فرداً اس کے سامنے حاضر ہونے والے ہیں''(30)۔

قیامت کے دن کی یہ عظیم حقیقت ہے کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا، اس

.....

(28) النور 54

(29) فاطر 18

(30) مریم 95

کے بعد فرمایا گیا:

﴿ ثُمَّ إِلَى رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴾

''اس وقت وہ تمہارے اختلافات کی حقیقت تم پر کھول دے گا''۔

یعنی آج جس چیز میں تم جھگڑا کر رہے ہو، آج تم اللہ تعالی کو اپنا معبود نہ مانو مگر کہاں جاؤ گے؟ تمہیں پلٹ کر اللہ تعالی ہی کی طرف جانا ہے، وہ خوب واضح کر دے گا۔ اس وقت تمہیں حقیقت کا علم ہوگا۔

ہمارے زیر مطالعہ آیات میں سے آخری آیت ہے:

﴿ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾

''وہی ہے جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا، تم میں سے بعض کے مقابلے میں بعض کو بلند درجے دیئے تاکہ جو کچھ تم کو دیا ہے، اس میں تمہاری آزمائش کرے، بے شک تمہارا رب سزا دینے میں بھی بہت تیز ہے، اور بہت درگزر کرنے اور رحم فرمانے والا ہے''۔

غور کیجئے کہ زیر مطالعہ آیات کا مرکزی مضمون تعلق باللہ ہے۔ پہلی آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعلق باللہ کی مثال دی گئی۔ پھر تعلق باللہ کا معیار واضح کیا گیا کہ تعلق باللہ کی حقیقت یہ ہے کہ:

﴿ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴾

''کہو: میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین کیلئے ہے''۔

بعد ازاں یہ واضح کیا گیا کہ ہر انسان انفرادی طور پر اللہ تعالی کے سامنے حاضر ہوگا، اسے اس کے ہی اعمال کا حساب دینا ہوگا، کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

ان تمام حقیقتوں کی وضاحت کے بعد اب ایک اور حقیقت کی وضاحت کی جا رہی ہے کہ تعالی مالک الملک ہے، وہ زمین و آسمان اور ان میں جو کچھ ہے سب کا مالک ہے، اس نے انسان کو اپنا خلیفہ بنایا

ہے۔خلیفہ کے کیا معنی ہیں؟۔ایک تھوڑی سی مدت کیلئے اللہ تعالی نے ہمیں اپنی چیزوں میں تصرف کے اختیارات دیئے ہیں، بعدازاں وہ ہم سے ان کے بارے میں پوچھے گا۔

کافر اللہ تعالی کو اپنا معبود نہیں مانتا مگر کیا اس کے نہ ماننے سے حقیقت بدل گئی؟۔کافر نہیں مانتا کہ اسے خلیفہ بنایا گیا ہے اور اس کا مالک جب چاہے گا اسے واپس بلا لے گا، وہ نہیں مانتا کہ قیامت ہوگی اور اسے اللہ تعالی کی عدالت میں اسے پیش ہونا ہے مگر کیا اس کے نہ ماننے سے حقیقت بدل گئی؟۔

یہ وہ رشتہ جو اللہ تعالی کا ایک کافر اور ایک مومن دونوں کیلئے عام ہے مگر اللہ تعالی سے ایک اور خاص رشتہ ہے جس کا تعلق صرف مومن سے ہے۔وہ ہے بیع وشراء کا رشتہ:

﴿ إِنَّ اللّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الجَنَّةَ ﴾

''حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کے نفس اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لئے ہیں'' (31)۔

ہم تجارت کا مطلب خوب سمجھتے ہیں۔صبح سے شام تک ہم تجارت کرتے ہیں، ہم میں سے ہر شخص تجارت کرتا ہے۔ہم صلاحیتیں اور وقت لگاتے ہیں جس کے بدلے میں ہم کچھ پیسہ حاصل کرتے ہیں، کچھ منفعت حاصل کرتے ہیں۔

قرآن مجید بھی یہی الفاظ استعمال کرتا ہے کہ اللہ تعالی نے مومنین سے ان کی جانوں اور ان کے مال کو خرید لیا ہے، کس چیز کے بدلے؟:

﴿ بِأَنَّ لَهُمُ الجَنَّةَ ﴾

''جنت کے بدلے''

اللہ تعالی نے ان سے جنت کا وعدہ فرمایا مگر یہ بیع اور شراء صرف مومنین صادقین سے ہے، کافر کے ساتھ نہیں کیونکہ کافر ''لا الہ الا اللہ، محمد رسول اللہ'' کا اقرار نہیں کرتا۔ہم نے ''لا الہ الا اللہ، محمد رسول

.....

(31) التوبہ 111

اللہ ﷺ'' کا اقرار کیا ہے اور اس اقرار کے ساتھ ہمارے اور رب سبحانہ وتعالی کے درمیان معاہدہ بیع وشراء طے پا گیا۔اسی معاہدے کی تذکیر کرتے ہوئے فرمایا گیا:

﴿ وَاذْكُرُواْ نِعْمَةَ اللّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُم بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاتَّقُواْ اللّهَ إِنَّ اللّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴾

''اللہ نے تم کو جو نعمت عطا کی ہے اس کا خیال رکھو اور اس پختہ عہد و پیمان کو نہ بھولو جو اس نے تم سے لیا ہے، یعنی تمہارا یہ قول کہ ''ہم نے سنا اور اطاعت قبول کی'' اللہ سے ڈرو، اللہ دلوں کے راز تک جانتا ہے''(32)۔

نبی اکرم ﷺ کو اس لئے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا کہ آپ ﷺ جو احکامات لائیں ان پر ہم آمنا وصدقنا کہیں۔تقوی کا تقاضا یہی ہے کہ جب ہم نے بیع وشراء کا معاملہ کیا ہے تو سمع واطاعت کریں کیونکہ اللہ تعالی ہمارے دلوں کے راز تک جانتا ہے۔

ہم شروع سے تعلق باللہ پر روشنی ڈال رہے ہیں اور رب سبحانہ وتعالی کے ساتھ ایک اور تعلق کا ذکر ہوا ہے جو مالک اور خلیفہ کا تعلق ہے۔انسان اللہ تعالی کا خلیفہ ہے، اس حقیقت کو نہ ماننے سے حقیقت نہیں بدلتی۔اسی خلافت کے تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے اس نے ہمیں دنیا میں درجات عطا کئے:

﴿ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ ﴾

''تم میں سے بعض کے مقابلے میں بعض کو بلند درجے دیئے''۔

دنیا برتنے کے سامان میں بعض کو زیادہ دیا گیا اور بعض کو کم، اس کی وجہ یہ ہے کہ:

﴿ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ ﴾

''اس میں تمہاری آزمائش کرے''۔

گویا ہمیں جو کچھ بھی عطا کیا گیا ہے، یہ سامان آزمائش ہے۔یہ مضمون قرآن مجید کا بڑا اہم مضمون

---

(32)المائدہ7

ہے جسے اچھی طرح سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔قرآن مجید نے اس چیز کو کھول کر بیان کیا ہے۔دنیا کی زندگی میں مال ومتاع کی تقسیم حکمت پر مبنی ہے۔جو لوگ قرآن مجید سے سوشلزم نکالنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلام سوشلسٹ دین ہے، وہ بے وقوف اور احمق ہیں۔سوشلزم کا بے وقوفانہ نظریہ ہے کہ مساوات کا مطلب دنیا کی دولت انسانوں کے درمیان برابری کی بنیاد پر تقسیم ہو۔قرآن مجید اس حقیقت کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے کہ اللہ تعالی نے دنیا میں انسانوں کے درجات رکھے ہیں۔دنیا کی زندگی میں یہ درجات حکمت پر مبنی ہیں۔اگر اس نے کسی کو زیادہ دیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اللہ تعالی کا مقرب ہے اور جسے کم دیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اللہ تعالی کا نزدیک پسندیدہ نہیں۔قرآن کا ارشاد ہے:

﴿ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴾

''نہیں! بلکہ یہ آزمائش ہے مگر ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں''(33)۔

ایک دوسرے پر درجات دے کر ہمیں آزمایا جارہا ہے۔

﴿ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ ﴾

''اس میں تمہاری آزمائش کرے''۔

سورہ ملک میں یہ بات زیادہ واضح انداز سے فرمائی گئی:

﴿ الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً ﴾

''جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تا کہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے''(34)۔

ایک اور جگہ فرمایا گیا:

﴿ وَلَوْ شَاء اللّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَـكِن لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُم فَاسْتَبِقُوا الخَيْرَاتِ ﴾

.....

(33)الزمر 49

(34)الملک 2

''اگر چہ تمہارا خدا چاہتا تو تم سب کو ایک امت بھی بنا سکتا تھا لیکن اس نے یہ اس لئے کیا کہ جو کچھ اس نے تم لوگوں کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش، لہذا بھلائیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو'' (35)۔

سورہ الزخرف میں یہی بات مختلف انداز میں فرمائی گئی۔ وہاں کفار کا ذکر کیا گیا کہ مکہ کے مشرکین کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالی نے اپنی رسالت کیلئے حضرت محمد ﷺ کو کیوں منتخب کیا۔ کیا مکہ میں ولید بن مغیرہ یا عتبہ بن ربیعہ جیسے نامی گرامی سردار موجود نہ تھے، کیا طائف میں عروہ بن مسعود اور حبیب بن عمرو جیسے رئیس نہ تھے:

﴿ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ ﴾

''کہتے ہیں، یہ قرآن دونوں شہروں کے بڑے آدمیوں میں سے کسی پر کیوں نہ نازل کیا گیا؟''۔

ان کے جواب میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿ أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَةَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضاً سُخْرِيّاً ﴾

''کیا تیرے رب کی رحمت یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں؟ دنیا کی زندگی میں ان کی گزر بسر کے ذرائع تو ہم نے ان کے درمیان تقسیم کئے ہیں اور ان میں سے کچھ لوگوں کو کچھ دوسرے لوگوں پر ہم نے بدرجہا فوقیت دی ہے تاکہ یہ ایک دوسرے سے خدمت لیں'' (36)۔

یہ دولت کی تقسیم تو اللہ تعالی نے اپنی حکمت سے ہی کی ہے۔ مال واسباب میں ایک دوسرے پر فضیلت کی حکمت یہ ہے کہ یہ ایک دوسرے سے خدمت لیں۔ اس کو لفظ ''سُخْرِیّا'' سے تعبیر کیا گیا

.....

(35) المائدہ 48

(36) الزخرف 31، 32

ہے۔اسے آج کی اصطلاح میں ایمپلائی کہا جاسکتا ہے۔مطلب یہ کہ دولت کی تقسیم ہم نے اس لئے کی ہے کہ بعض لوگ ،بعض لوگوں کو ایمپلائی بنا ئیں ، ان سے کام لے سکیں ، وگرنہ اگر سب کو ایک جیسی دولت دے دیتے تو کون دوسرے کے کام آتا؟۔یہی وہ چیز ہے جس کو آج کی مینجمنٹ سائنس بھی مانتی ہے۔مینجمنٹ سائنس کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو متحرک کرنے اور موٹیویٹ کرنے کی ضرورت ہے۔انسان کام کرنے کیلئے تب ہی تیار ہوتا ہے جب اس کو کوئی چیز ملتی ہوئی نظر آتی ہے۔جب تک آپ اس سے کمنٹمنٹ نہیں کریں گے انسان کوئی کام نہیں کرے گا۔اگر دولت کی تقسیم برابر ہوجائے ،سب کے پاس ایک سا مال ہوتو کیوں کوئی موٹیویٹ ہوگا اور کیوں کوئی کسی کے ساتھ کام کرے گا۔قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ یہ ہم تمہیں جو دولت دے رہے ہیں اور تمہارے درمیان جو تفاوت رکھا ہے،اس کا اصل مقصد تمہاری آزمائش ہے۔

اب جو بات اچھی طرح سمجھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ دولت کی آزمائش کو معمولی نہ سمجھا جائے۔

الحمدللہ ثم الحمدللہ، ہم میں سے اکثر لوگ جو سمندر پار رہتے ہیں، اللہ تعالی نے ہمیں رزق کی بڑی فراوانی دی ہے۔یہ ایک طرح سے فتنہ اور آزمائش بھی ہے۔اس آزمائش کو معمولی نہ سمجھا جائے۔

فتنہ خلق قرآن پر امام احمد بن حنبلؒ کو کوڑے مارے جاتے تھے۔ایک کوڑا اگر ہاتھی کو مارا جاتا تو وہ بھی چنگھاڑ اٹھتا۔امام احمدؒ کو اللہ تعالی نے اس آزمائش میں سرخرو کیا۔آپؒ نے صبر کا دامن نہیں چھوڑا۔بعد ازاں خلیفہ تبدیل ہوئے تو انہیں احساس ہوا کہ امام صاحبؒ کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔انہوں نے امام صاحبؒ کی عزت وتکریم کی۔خلیفہ آپؒ کے لئے اشرفیاں روانہ کرتا تھا جنہیں دیکھ کر امام صاحبؒ کہا کرتے تھے کہ یہ فتنہ بہت عظیم ہے۔کوڑوں کے فتنے کو تو میں برداشت کر گیا لیکن اس کو میں برداشت کرسکوں گا یا نہیں۔

دولت کا فتنہ بڑا عظیم ہے جسے معمولی نہ سمجھیں۔یہ آزمائش ہے جس میں سرخرو ہونے کیلئے اللہ تعالی

سے دعا کرتے رہنا چاہئے۔ہمیں ہر وقت اس بات کا احساس رہنا چاہئے کہ اللہ نے ہم کو جو رزق دیا ہے، اس میں کسی دوسرے کا بھی حق ہے۔اس حق کو ہمیں دوسرے تک پہنچانا چاہئے۔یہ اللہ تعالی کا ہمارے اوپر احسان ہے کہ اللہ تعالی نے کسی دوسرے کا رزق ہمارے ذریعے اتارا ہے اور اس پر ہمیں انعام اور ثواب عطا فرمائے گا ورنہ اگر وہ چاہتا تو براہ راست اس کو خود بھی رزق پہنچا سکتا تھا۔

زیر نظر آیات کا اختتام اس بات پر ہوتا ہے کہ:

﴿ إِنَّ رَبَّکَ سَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾

''بے شک تمہارا رب سزا دینے میں بھی بہت تیز ہے، اور بہت درگزر کرنے اور رحم فرمانے والا ہے''۔

لوگو! یہ جو تمہاری آزمائش کی جارہی ہے تو جان رکھو کہ تمہارا رب سزا دینے میں بھی بہت تیز ہے۔ تمہارے رب کو تمہیں پکڑنے اور سزا دینے میں کوئی دیر نہیں لگتی۔تم اس رب کے سامنے پیش کئے جاؤ گے۔وہ جب چاہے تمہیں قبض کرلے گا اور اپنی طرف بلالے گا۔

جہاں قرآن مجید تاکید کرتا ہے کہ ہمارا رب سزا دینے میں بہت تیز ہے وہاں ہمیں تسلی بھی دیتا ہے کہ:

﴿ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾

''وہ بہت درگزر کرنے اور رحم فرمانے والا ہے''۔

ہمارا رب مغفرت کرنے والا بھی ہے، بڑی رحمت کرنے والا بھی ہے۔اگر کسی کی آنکھیں کھل گئی ہیں تو اللہ تعالی کے حضور خلوص نیت کے ساتھ توبہ کرلے اور آئندہ کیلئے اپنے اعمال کو درست کرلے تو رب سبحانہ وتعالی بڑی مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

دعاء کیجئے کہ اللہ تعالی مجھے اور آپ کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد اللہ رب العالمین

گزشتہ صفحات کا خلاصہ

* ہدایت اللہ تعالی کی طرف سے ملتی ہے۔ دنیا میں کسی انسان کو ہدایت دینے کا اختیار نہیں۔
* ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی دعا مانگتے رہنی چاہئے۔
* صراط مستقیم محض عبادات کا اہتمام ہی نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں اللہ کے حکم کے مطابق چلنا ہے۔
* حضرت ابراہیم علیہ السلام یکسو تھے۔ آپؑ کی پیروی کرنے کا حکم ہوا ہے۔
* اللہ تعالی سے تعلق اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتا جب تک اپنا سب کچھ اس کے سپرد نہ کر دیا جائے۔
* نوافل کا اہتمام، روزے، انفاق، قرآن مجید کی تلاوت اور اللہ تعالی کے دین کی دعوت تعلق باللہ مضبوط کرنے کی بنیادیں ہیں۔
* ہر انسان کو اپنے اعمال کی خود جواب دہی کرنی ہے۔ کوئی آدمی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔
* اللہ تعالی سے ہمارا خاص رشتہ یہ ہے کہ ہم اس کے خلیفہ ہیں۔
* خلیفہ وہ ہے جس نے اللہ تعالی کے ساتھ بیع وشراء کا معاہدہ کیا ہے۔
* اللہ تعالی نے دنیا میں انسانوں کو مختلف درجات دیئے ہیں تا کہ ان کا امتحان لے۔

ڈاکٹر فرحت علی برقؒ کی دیگر کتب:

بندگی رب کے تقاضے۔

مصنف کی دیگر کتب:

1)احسان کیا ہے؟۔

2)اسماءالحسنی (تمہید،اللہ،الالہ،الرب،الرحمٰن الرحیم،الحق،الجبار،الفتاح،الرزاق)

3)حسرتیں۔

4)انفاق وصدقات،فضائل وآداب۔

زیرترتیب:

1)دادشجاعت۔

2)نارنگی پوشاک والے۔

3)استقامت کیا ہے؟

تمام کتابیں درج ذیل لنک سے حاصل کی جاسکتی ہیں:

http://www.quranurdu.com/books/urdu_books/

مصنف سے رابطے کیلئے:

nazar_70@hotmail.com